قرآنِ کریم کی ترتیب

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی - ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قرآن میں سورتوں اور آیات کی ترتیب توقیفی ہے، یعنی من جانب اللہ ہے۔ اِسی طرح ہر سورت کی آیات کی ترتیب اور ان سے پہلے بِسْمِ اللہ کا لکھنا بھی قطعی طور پر ایک توقیفی امر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمل میں لایا گیا۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، پھر نیچے جھکائی اور فرمایا: "جبریل میرے پاس آئے تھے، انہوں نے کہا ہے کہ آیت کریمہ (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی) کو فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھیے۔"

یہ بات لاتعداد مستند ذرائع سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبینِ وحی کو قرآن املا کرواتے اور اُن کو آیات کی ترتیب سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔ اِسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ جو لوگ اس کو صحابہؓ کے اجتہاد کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ اپنی اس رائے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ یہ بات بھی درست تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ بعض سورتیں توقیفی ہیں اور بعض اجتہادی۔ جہاں تک زرکشی کے اس قول کا تعلق ہے کہ "بعض سورتوں کی ترتیب خدا کی طرف سے واجب کردہ نہیں، بلکہ صحابہؓ نے اجتہاد پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے ہر نسخہ کی ترتیب جداگانہ ہے" تو اس کا یہ قول درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مصحف سے پہلے سارے صحابۂ کرام نے اپنے لیے قرآن کے الگ الگ نسخے مرتب کیے تھے اور اس سے اُن کا یہ

ہرگز مطلب نہ تھا کہ دوسرے لوگ ان کے نسخوں کی پیروی کریں یا یہ کہ ان کی مخالفت حرام ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے لغتِ قریش پر ایک مصحف تیار کیا تو تمام صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے نسخے ترک کیے اور اس نسخے سے اتفاق کیا۔ اگر وہ ترتیبِ آیات اور ترتیبِ سُوَر کو مبنی بر اجتہاد سمجھتے تو اپنے اپنے نسخے ترک نہ کرتے اور حضرت عثمانؓ کے مصحف سے اتفاق نہ کرتے[1]

جہاں تک ترتیبِ توقیفی اور ترتیب اجتہادی کے نظریے کا تعلق ہے تو اس میں ترتیبِ اجتہادی کا نظریہ کسی مستند دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ دوسری جانب دلیل یہ ہے کہ بیشتر سورتوں کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معلوم تھی، جیسے سبع طوال اور حوامیم اور مفصل سُورتیں وغیرہ[2]۔ البتہ جو لوگ سورتوں کی ترتیب میں اجتہاد کے قائل ہیں۔ وہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو بغیر بسم اللہ لکھنے کو حضرت عثمانؓ کے اجتہاد کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے خود اس کا جواب دیا ہے کہ سورۂ انفال کو سورہ توبہ کے ساتھ بغیر بسم اللہ کے کس لیے ملایا گیا ہے، سورۂ انفال ہجرت کے آغاز میں نازل ہوئی تھی۔ اور سورۂ توبہ عہدِ رسالت کے آخری دور میں دونوں سورتوں کے مضامین باہم ملتے جلتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا، اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان دونوں سُورتوں کو ملا دیا[3]۔ یہ گویا صرف ایک استثنائی صورت ہے۔

---

[1] علوم القرآن۔ ڈاکٹر صبحی صالح، اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری۔ فیصل آباد ۱۹۷۸، ص ۱۰۴

[2] ایضاً ص ۱۰۵۔ ایضاً اصول التفسیر محمد مالک کاندھلوی کراچی ۱۹۰

[3] " ص ۱۰۶ ایضاً " " " " "

ایضاً احمد الدین سیپارہ، ماہنامہ میثاق، لاہور، فروری ۱۹۸۲ء ص ۵۔ ایسا لگتا ہے کہ قرآن پاک کو مصحف کا نام حضرت ابوبکر الصدیق کے عہد میں دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں جب قرآن پاک کو اوراق میں جمع کیا گیا تو حضرت ابوبکر الصدیق نے اس کے نام کے بارے میں صحابہ کرام سے عرض کیا۔ بعض نے اس کا نام "السفر" تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ یہودیوں کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض نے "المصحف" کا نام (باقی برصفحہ آئندہ)

سورتوں کی تعداد | جمہور کے ہاں سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ البتہ عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک سورتوں کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ انہوں نے معوذتین کو اپنے مصحف میں داخل نہیں کیا، البتہ وہ ان دو سورتوں کو قرآن کا حصہ ضرور مانتے ہیں۔

مجاہدؒ کے ہاں سورتوں کی تعداد ۱۱۳ ہے۔ وہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو ایک سورۃ شمار کرتے ہیں۔ ابی بن کعبؓ کے ہاں سورتوں کی تعداد ۱۱۶ ہے۔ وہ قنوت یعنی حفد و خلع کو قرآن کریم کی دو سورتیں مانتے ہیں لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ان کے ہاں سورتوں کی تعداد ۱۱۵ ہے۔ وہ سورۂ فیل اور سورۂ ایلاف کو ایک سورت مانتے ہیں[1]

آیات کی تعداد | قرآن پاک کی آیات کی تعداد میں کافی اختلاف ہے۔ کوفیوں کے ہاں یہ تعداد ۶۲۳۶ ہے اور بقول بعض یہ مختار قول ہے جو حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے۔ بصریوں کے ہاں آیات کی تعداد ۶۲۱۶ ہے اور یہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ شامیوں کے ہاں یہ تعداد ۶۲۵۰ ہے۔ بعض کے ہاں ۶۲۱۸ ہے۔ البتہ عام لوگوں کے ہاں آیات کی تعداد ۶۶۶۶ مشہور ہے لیکن اس کی بنیاد کسی ماثور روایت پر مبنی نہیں ہے[2]۔

اسی طرح بصریوں کے ہاں دس دس آیات کے مجموعوں کی تعداد ۶۲۳ ہے۔ کوفیوں کے ہاں ۶۲۳ اور ۶ آیتیں زائد۔ بصریوں کے ہاں پانچ پانچ آیتوں کے مجموعوں کی تعداد ۱۲۴۶ ہے۔ اور کوفیوں کے ہاں ۷۴۸[3]

قرآن کی تقسیم | ختم قرآن کی مدت کے بارے میں سلف کی عادت مختلف رہی ہے اور اس مقصد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رکھنے کی تجویز پیش کی چونکہ حبشہ میں یہ نام رائج تھا، اس لیے اس پر اتفاق ہو گیا۔ اور قرآن پاک کو مصحف کا نام دیا گیا۔ علوم القرآن ۱۳۱/۱ : اصول تفسیر ۵۹ ف ن

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] مفتی محمد سعد اللہ، نوادر البیان فی علوم القرآن، لاہور ۱۳۸۱ھ ص ۷، ۸

[2] ایضاً ۸ ایضاً نبایات البیان ۴۲، ۴۳۔

[3] ایضاً ۸ ایضاً ″ ″ ″

کے لیے قرآن کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً بعض نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور دلیتلطف میں حرف "فا" کو قرآن کے نصف اوّل کا آخری حرف قرار دیا۔ بعض نے قرآن کو حروف کے لحاظ سے سات حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مثلاً :-

پہلا ساتواں حصّہ	سورۂ نساء کی آیت ۵۵ تک
دوسرا ساتواں حصّہ	سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۷ تک
تیسرا ساتواں حصّہ	سورۂ رعد کی آیت ۳۵ تک
چوتھا ساتواں حصّہ	سورۂ حج کی آیت ۳۴ تک
پانچواں ساتواں حصّہ	سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ تک
چھٹا ساتواں حصّہ	سورۂ فتح کی آیت ۶ تک
ساتواں ساتواں حصّہ	باقی ماندہ قرآن۔[1]

اسی طرح بعض نے بلحاظ آیات قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا ہے :-

پہلا ساتواں حصّہ	۵۴۷ آیتیں	چوتھا ساتواں حصّہ	۹۵۳ آیتیں
دوسرا 〃 〃	۵۹۰ 〃	پانچواں 〃 〃	۸۶۸ 〃
تیسرا 〃 〃	۶۵۱ 〃	چھٹا 〃 〃	۹۸۶ 〃
ساتواں ساتواں حصّہ	۱۶۲۴ آیتیں[2]		

اِسی طرح قرآن کو دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس حصوں میں تقسیم کرنے کی بے شمار روایتیں موجود ہیں[3]

حضرت عثمانؓ جمعہ کے دن قرآن پاک شروع کرتے تھے اور جمعرات کے دن ختم کرتے تھے۔

---

[1] مفتی محمد سعد اللہ، نہایات البیان فی مقاصد القرآن طبع احمدی، تاریخ طبع غیر معلوم ص ۶، ۷
کتاب المصاحف لابن ابی داؤد، تحقیق آرتھر جیفری، مصر ۱۹۳۴ء ص ۱۱۹

[2] کتاب المصاحف ص ۱۲۲۔

[3] کتاب المصاحف ص ۱۱۹، ۱۲۲۔

غالباً منزل کا تصور یہاں سے ابھرا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے سبعاً من المثانی کا مطلب قرآن کا سات حصوں میں منقسم ہونا مراد لیا ہے۔ اس کو سات منزل بھی کہتے ہیں اور سات دن میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق قرآن پاک کو ایک ہفتہ میں ختم کرنے کی سنّت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے لیے مقرر کی تھی۔ اور تمام صحابہ کرامؓ نے نماز تہجد میں اسی سنّت پر اپنا عمل جاری رکھا۔ سات دنوں کا ختم کچھ اس طرح ہوتا تھا۔

جمعہ — سورۂ فاتحہ تا آخر سورۂ نساء۔

ہفتہ — سورۂ مائدہ تا آخر سورۂ برات۔

اتوار — سورۂ یونس تا آخر سورۂ نحل۔

پیر — سورۂ بنی اسرائیل تا آخر سورۂ فرقان۔

منگل — سورۂ شعراء تا آخر سورہ یٰسٓ۔

بدھ — سورہ والصافات تا آخر سورۂ حجرات

جمعرات — باقی ماندہ قرآن [1]

اسی طرح ایک اور تقسیم تقسیم احزاب ہے۔ احزاب کے لحاظ سے ختم قرآن کریم حضرت عثمانؓ سے اس ترتیب سے منقول ہے۔

جمعہ — سورۂ فاتحہ تا آخر سورۂ مائدہ۔

ہفتہ — سورۂ انعام تا آخر سورۂ ہود۔

اتوار — سورۂ یوسف تا آخر سورۂ مریم۔

پیر — سورۂ طٰہٰ تا آخر سورۂ قصص۔

منگل — سورۂ نمل تا آخر سورۂ صٓ۔

بدھ — سورۂ زمر تا آخر سورۂ رحمٰن۔

جمعرات — سورۂ واقعہ تا آخر [2]

[1] نہایات البیان ص ۷۰۶ [2] ایضاً ص ۷۰۸

ایک اور تقسیم منزل فیل کی ہے یعنی قرآن کو تین حصوں میں تقسیم کر کے پڑھنا۔ غالباً یہ تقسیم اثلاث کی تقسیم کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس تقسیم کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ سورۂ فاتحہ تا سورۂ براءت۔

۲۔ سورۂ یونس تا سورۂ روم۔

۳۔ سورۂ لقمان تا آخر۔

اِن تمام تقسیموں کے باوجود ختم قرآن کے بارے میں مفتیٰ بہ فیصلہ یہ ہے کہ چالیس دن سے زیادہ اور تین دن سے کم میں ختم قرآن مکروہ ہے۔[۱]

رکوعات ختم قرآن کے سلسلے میں اس کو خلیفہ عبد الملک کے زمانے میں رکوعات میں تقسیم کیا گیا۔ مگر بعض روایات کے مطابق حضرت عثمانؓ نماز تراویح میں بیس رکعت میں بیس رکوع پڑھا کرتے تھے۔ اور رکوع کو رکوع اس لیے کہا گیا کہ نماز میں قرأت کرتے وقت اس مقام پر رکوع کیا جاتا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عبد الرحمٰن سلمی نے نماز تراویح میں امامت کی اور پہلی رکعت میں "الم ذالک" سے "عذاب عظیم" تک، دوسری رکعت میں "و من الناس" سے "تا آخر" علیٰ کل شیءٍ قدیر" پڑھا، اور اسی طرح پر تا آخر قرآن پاک کو رکوع رکوع میں تقسیم کر کے ختم کیا۔

حضرت عائشہؓ نے جب یہ سنا تو اس کو پسند فرمایا اور اس سے رکوع مقرر ہوا۔ حسن بصریؒ نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا۔ قرآن پاک اسی طرز پر نماز تراویح میں ختم کرنا سنت ہے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ نماز تراویح میں بیس رکوع بومیہ پڑھنے سے پورے ماہ رمضان میں قرآن پاک ختم ہو سکتا ہے تو یہ حساب درست معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ اس حساب کی رو سے رکوعات کی تعداد ۶۰۰ بنتی ہے اور جو لوگ سورۂ عبس سے سورۂ والناس تک ہر سورہ کو رکوع مانتے ہیں۔ اس حساب سے رکوعات کی تعداد ۵۵۷ بنتی ہے۔[۲]

[۱] نہایات البیان ص ۸

[۲] ماہنامہ میثاق مذکورہ بالا، اصول التفسیر مذکورہ بالا۔

سیپاروں میں تقسیم قرآن پاک کی تلاوت اور سیکھنے میں سہولت پیدا کرنے کے لیے اس کی ایک اور تقسیم کی گئی - اور یہ بھی حجاج بن یوسف نے کی - اور وہ ہے تیس ۳۰ پاروں یا تیس ۳۰ اجزاء میں اس کی تقسیم - بعض علماء سیپارہ کہنا پسند نہیں کرتے اور تیس ۳۰ جزء لکھتے ہیں - ایک جزء میں ایک سی پارہ ہے - اور یہ اب تمام ممالک میں شائع ہے - ایک دوسری روایت کے مطابق قرآن پاک کو ایک ماہ میں ختم کرنے کے لیے اس کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے - مگر اس روایت کو بعض لوگ اس بنیاد پر تسلیم نہیں کرتے کہ قمری مہینے تو سارے تیس ۳۰ دن کے نہیں ہوتے - اس لیے قرآن پاک کو اس مقصد کے لیے تیس ۳۰ پاروں میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے - وہ تو اس تقسیم کی مخالفت میں اس حد تک گئے ہیں کہ انھوں نے اس کو ایک یہودی سازش قرار دیا ہے - اس سلسلے میں انھوں نے

"یہودی سازش" ہونے کا مقصد اور اس کے دلائل اور مآخذِ گفتگو سامنے نہیں ہیں - مگر یہ بات واضح ہے کہ قرآن کو جن مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، وہ ایسی اجتہادی کوششیں ہیں جن پر قریب قریب اجماع ہے - یہ ساری تقسیمیں بعض واضح ضرورتوں کے تحت کی گئی ہیں، ورنہ تو پھر صفحات میں تقسیم بھی غلط ہوگی، سارا قرآن ایک طومار میں لکھا جانا چاہیے - نقطے اور اعراب لگانے کا معاملہ بھی حقیقی ضرورت کے تحت آتا ہے اور اس سلسلے کی اجتہادی کوششوں کو بھی قبولِ عام حاصل ہے - ایسے بے ضرر امور میں لوگوں کو چونکانا اور ایک قبول یافتہ معاملے کو بلاوجہ درہم برہم کرنا بجائے خود وجہ تفرقہ ہو سکتا ہے - سورتوں کی تقسیم کو اساسی اہمیت دینے کے معنی یہ نہیں کہ بعض سہولتوں کے لیے اختیار کردہ دوسری تقسیموں کی شدید مخالفت کا آوازہ ضرور اٹھایا جائے - آخر نقطے اور اعراب لگنے اور پاروں اور رکوعوں کی تقسیم ہونے اور رموز و اوقاف استعمال ہونے کے بعد سے اب تک نہایت زیرک اور مدبر و فقیہہ علماء کثیر تعداد میں گذرے ہیں - اگر یہ اجتہادات کوئی خطرناک چیز ہوتے تو ان کی طرف سے ایک مضبوط محاذ ان کے خلاف قائم ہو جاتا اور اب تک رہتا - بیشتر اکابر علماء و ائمہ نے تو ان چیزوں کے خلاف کچھ کہا ہی نہیں، اکا دکا رائے کہیں آئی بھی ہے تو وہ وقت کے ردّوں تلے دب گئی ہے - ایسے تفردات پر علمی بحثیں تو کی جا سکتی ہیں مگر عملی سلسلہ کار ان کا پابند نہیں رہ سکتا - ایسی بحثوں کو محدود اور بلند علمی دائرے سے نکال کر اگر عوام (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

جو دلائل دیئے ہیں وہ ایک عالم شخص کے لیے کسی حد تک قابلِ دلچسپی ہیں، لیکن عام آدمی کے لیے اُن کی کوئی اہمیت نہیں ہے[۱]

قرآن کریم کو پاروں میں تقسیم کرنے کے بارے میں قابلِ فہم بات یہ ہے کہ قرآن پاک کو طلباء کی سہولت کے لیے مدارس میں تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا اور زیرِ تعلیم بچوں کی سہولت کے لیے یہ پارے الگ الگ طبع کئے گئے پھر ہر پارہ کو ربع، نصف اور ثلث میں تقسیم کیا گیا اور اس نہج پر تقسیم کرنے کی افادیت آج بھی مسلمہ ہے[۲]

(جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

میں لے آیا جائے تو ان بیچاروں کا ایمان ڈگمگا جائے گا اور وہ قرآن کے نہ جانے کن کن پہلوؤں میں یہودی سازش کی بُو سونگھنے لگیں گے۔ اصلاح پسندوں کا مسلک ہمیشہ احتیاط کا ہوتا ہے نہ کہ افراط و تفریط کا۔ دین کے معاملے میں خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ معمولی اختلافات کے معاملے میں چونکانے کا اخباری انداز اختیار نہ کیا جائے۔ (ن۔ص)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱؎ ماہنامہ میثاق، مذکورہ بالا، اصول التفسیر مذکورہ بالا ص ۴۶-۴۲ نہایات البیان ص ۵۱

۲؎ علوم القرآن، مذکورہ بالا، ص ۱۴۱ بمعہ حاشیہ۔